فانی فی اللہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے اور کامیابی اور فلاح سے ہمکنار ہوتا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۱؍نومبر ۱۹۶۹ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ)

❁ ❁ ❁

☆ انسان کو اللہ تعالیٰ کا سچا اور حقیقی عبد بننے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

☆ انسانی زندگی کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔

☆ جو توحید خالص پر قائم ہو اُس کو شیر سے بھی ڈر نہیں لگتا۔

☆ زندہ اور قائم رہنے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

☆ حقیقی عبد بننے کے لئے کامل فنا اور کامل اطاعت ضروری ہے۔

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

(الحج: ۷۸)

اور اس کے بعد فرمایا:۔

انسانی پیدائش کی غرض صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عبودیت کا ایک حقیقی تعلق پیدا کیا جائے۔ اس بنیادی غرض کے حصول کے علاوہ باقی جو بھی مقاصد حاصل ہیں وہ انسانی پیدائش کی غرض اور مقصد نہیں لیکن ان کا ایک طبعی نتیجہ ضرور نکلتا ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ انسان کی پیدائش کی غرض یہ نہیں ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہو اس کی پیدائش کی غرض یہ ہے کہ اس کا اپنے ربّ سے حقیقی اور زندہ تعلق قائم ہو جائے۔ جب اُس کا اپنے ربّ سے حقیقی اور زندہ تعلق قائم ہو جاتا ہے تو گناہوں سے وہ خود بخود پاک ہو جاتا ہے کیونکہ پھر اس کا دل اور اس کی روح کسی ایسے فعل کے کرنے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتی جو اس کے پیدا کرنے والے محبوب خدا کو ناپسند ہو۔

اسی طرح انسان کی پیدائش کی غرض یہ بھی نہیں کہ انسان نجات حاصل کرے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ انسانی پیدائش کی اصل غرض یہ ہے کہ انسان کو عبودیت تامّہ کا شرف حاصل ہو جائے کیونکہ جب ایک انسان اپنے ربّ کا حقیقی رنگ میں اور کامل طور پر بندہ بن جاتا ہے تو نجات تو اُسے خود بخود مل جاتی ہے۔ نجات تو اس عبودیت تامّہ کا ایک طبعی نتیجہ سمجھنا چاہئے لیکن صرف نجات مقصدِ حیات انسانی نہیں اور نہ پاکیزگی اختیار کرنا اور گناہوں سے بچنا مقصدِ حیات ہے۔ مقصدِ حیاتِ انسانی یہ ہے کہ انسان اپنے ربّ کی عبودیت تامّہ کو اختیار کرے۔ اس کا حقیقی عبد بن جائے پھر وہ کسی ایسے گناہ میں مبتلا نہیں ہوگا جو اُس کے ربّ کو ناپسند ہو اور وہ ایسا کام نہیں کرے گا جو اُس کے ربّ

سے اُسے دور لے جانے والا ہو۔ ہر وہ چیز جس کی وہ خواہش کرے گا وہ اُسے مل جائے گی اور وہ اپنے پیدا کرنے والے ربّ کی عبودیت تامّہ کے نتیجہ میں ایک ابدی سرور اور ایک دائمی لذت کو حاصل کرے گا۔ نجات تو اس کو مل جائے گی لیکن وہ نجات کے لئے پیدا نہیں کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی عبد بننے کے لئے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّٰرِيٰت:۵۷)

فرمایا انسانی زندگی کا مقصد عبودیت تامّہ کو اختیار کرنا یعنی عبد کامل بننا ہے باقی چیزیں تو بطور لوازم اور نتائج کے ہیں۔ یہ انسان کو مل جاتے ہیں لیکن انسانی پیدائش کی اصل غرض یہ ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک زندہ اور حقیقی تعلق پیدا ہو جائے۔

یہ عبادت ہی ہے جس کا حکم دیا گیا ہے اور اس آیت میں بھی جس کی میں نے ابھی تلاوت کی ہے خالص عبادت ہی انسانی زندگی کا اصل مقصد ٹھہرایا گیا ہے لیکن بعض لوگ عبادت کے مفہوم کو یا اس فقرے کے مفہوم کو کہ انسان عبودیت تامّہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور اسی راہ کو اسے اختیار کرنا چاہئے سمجھتے نہیں۔ بہت سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو بڑی لمبی لمبی اور دکھاوے کی نمازیں ادا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پرستش اور اس کی عبادت کا حق ادا کر رہے ہیں یا بڑی کثرت سے روزے رکھنا شروع کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کی راہ میں بڑا مجاہدہ کر رہے ہیں یا اور دوسرے نیکی کے کام جو اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں اُن کے ظاہر پر زور دینے لگ جاتے ہیں مگر حقیقت نماز سے ناآشنا اور حکمتِ روزہ سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اِس قسم کی عبادت عنداللہ عبادت متصور نہیں ہوتی۔

مجھے اس وقت ایک بزرگ کا واقعہ یاد آ گیا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ ایک شخص بڑے بزرگ تھے لیکن ابھی گہرائیوں میں ان کی پہنچ نہیں ہوئی تھی۔ وہ نیکیوں کے ظاہر پر بڑا زور دیتے تھے۔ ایک دفعہ وہ ایک اَور بزرگ سے جن کی بڑی شہرت تھی ملنے گئے جب یہ وہاں پہنچے تو مغرب کی نماز ہو رہی تھی۔ یہ بھی نماز میں شامل ہو گئے مگر یہ بزرگ جو نماز پڑھا رہے تھے اور جن کی اُنہوں نے بڑی شہرت سنی ہوئی تھی اور جن کی ملاقات کے لئے یہ صاحب ایک لمبا سفر طے کر کے وہاں پہنچے تھے وہ سورہ فاتحہ کی تلاوت بھی صحیح نہیں کر رہے تھے چنانچہ یہ بڑے مایوس ہوئے اور اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ میں نے اتنے لمبے سفر کی تکلیف بلاوجہ اور بے فائدہ اُٹھائی ہے۔

رات یہاں گزارتا ہوں صبح واپس چلا جاؤں گا۔ اُنہوں نے شاید استغفار بھی کی ہوگی کہ بڑا گناہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ صبح سویرے اُٹھے دریا قریب تھا دریا کی طرف جا رہے تھے تا کہ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر وضو کر کے عبادت کریں مگر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شیر راستے میں سویا ہوا ہے وہ اُن کے پاؤں کی آواز سے دفعۃً اُٹھا اور ان کے پیچھے بھاگا یہ آگے آگے تھے اور وہ اُن کے قدم بقدم پیچھے پیچھے آ رہا تھا جس وقت اُس بزرگ کی عبادت گاہ کے قریب پہنچے جن کی قرأت اُن کو اچھی نہیں لگی تھی اور جن کے متعلق ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ جو شخص سورہ فاتحہ کی تلاوت بھی صحیح نہیں کر سکتا وہ بزرگ کیا ہوگا وہ اُس وقت اپنی عبادت گاہ سے باہر نکل رہے تھے وہ آگے بڑھے اور شیر کے کان پکڑ لئے اور اس کو کہنے لگے کہ اللہ کے کتو! کیا میں نے تمہیں یہ کہا نہیں ہوا کہ تم نے میرے مہمانوں کو تنگ نہیں کرنا شیر دُم ہلا رہا تھا اور اُن کو کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔ چنانچہ جب اُنہوں نے شیر سے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ تو وہ فوراً وہاں سے چلا گیا پھر وہ ان سے مخاطب ہوئے اور کہنے لگے کہ تم لوگ ظاہر کا زیادہ خیال رکھتے ہو اور ریاء سے بچتے نہیں اس لئے مخلوق خدا سے خوف کھاتے ہو پھر انہوں نے بڑے نمایاں رنگ میں اور بڑے عجیب طریق پر ان کو سمجھایا کہ دیکھو صرف ظاہر کے خیال رکھنے کی وجہ سے مخلوق خدا سے ڈر لگتا ہے مگر ہم لوگ باطن کا خیال رکھتے ہیں اس واسطے خدا کی مخلوق کا خوف نہیں کھاتے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں ڈوبے رہتے ہیں اس کا رنگ اپنے اوپر چڑھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے مقابلے میں ہر چیز کو ایک مُردہ سمجھتے ہیں۔

پس جو خالص توحید ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا ہر دوسری مخلوق کو اپنی ذات میں مُردہ اور نیست سمجھا جائے کیونکہ ایسا شخص اس حقیقت پر قائم ہوتا ہے کہ انسانی حیات اور بقا اور اُس کا قیام اللہ تعالیٰ کے فضل کے سہارے کا محتاج ہے اور زندگی کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ اگر وہ زندہ نہ رکھنا چاہے تو کوئی مخلوق فنا کا لباس پہنے بغیر رہ نہیں سکتی اور باقی بھی وہی رکھتا ہے کیونکہ وہ قیوم بھی ہے اسی کی ذات سے دنیا اور اس کی اشیاء قائم ہیں۔ پس جو توحید خالص پر قائم ہو اُس کو شیر سے ڈر نہیں لگتا۔ شیر تو پھر بھی ناسمجھ جانور ہے اس کو سارے کفارِ مکہ سے بھی ڈر نہیں لگتا آخر سارے کفار بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اکٹھے ہو گئے تھے مگر اس پاک وجود صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مات کھا گئے۔ اِسی طرح آپ کے جو متبع اور آپ سے محبت کرنے والے اور فدائی اور جاں نثار خادم ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق سے خوف نہیں کھاتے اس لئے کہ ان کے آقا اور مطاع اور محبوب صلی اللہ علیہ

وسلم نے انہیں توحید حقیقی پر قائم کر دیا ہے۔ پس بہت سے ظاہری سجدے کرنا اور روزے رکھنا یا اسراف کرتے ہوئے اموال کو خرچ کرنا اور ظاہر یہ کرنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے ہے حالانکہ دل میں درحقیقت اس سے دنیا کو خوش کرنا مقصود ہو تو اس طرح کی عبادت وغیرہ کا کچھ بھی فائدہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو مول لینے کے مترادف ہے۔ پس صرف ظاہر پر زور دینا مناسب نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ظاہر کی اپنی ایک قیمت ہوتی ہے اور اس کا اپنا ایک فائدہ ہوتا ہے جس طرح اس مادی دنیا میں پھل بغیر چھلکے کے نہیں ہوتے اسی طرح روحانی دنیا میں بھی کوئی لذت اور سرور اور لذت اور سرور کا کوئی ذریعہ اور وسیلہ بھی بغیر چھلکے کے نہیں ہوتا۔ اس کا بھی ایک ظاہر ہوتا ہے۔ پس یہ درست ہے کہ باطن کے ساتھ ظاہری پاکیزگی کا جو تعلق ہے وہ بھی قائم رہنا چاہئے لیکن مغز اور حقیقت بہرحال باطن ہے۔ بہرحال روح ہے، بہرحال ابدی صداقت ہے جو اللہ تعالیٰ میں ہو کر انسان حاصل کرتا ہے اور جو یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور ہر خیر اور خوبی اُسی سے انسان حاصل کر سکتا ہے کسی دوسرے کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ بہرحال عبادت جو ہے وہ روح کے بغیر ایک بے حقیقت اور بے نتیجہ چیز ہے اور اس کا کوئی ثمرہ ظاہر نہیں ہوتا اور انسان کو اس کا کوئی پھل حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ بڑے مختصر الفاظ میں لیکن بڑے زور کے ساتھ عبادت کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

''انسان خدا کی پرستش کا دعویٰ کرتا ہے مگر کیا پرستش صرف بہت سے سجدوں اور رکوع اور قیام سے ہو سکتی ہے یا بہت مرتبہ تسبیح کے دانے پھیرنے والے پرستار الٰہی کہلا سکتے ہیں بلکہ پرستش اُس سے ہو سکتی ہے جس کو خدا کی محبت اِس درجہ پر اپنی طرف کھینچے کہ اُس کا اپنا وجود درمیان سے اُٹھ جائے۔ اوّل خدا کی ہستی پر پورا یقین ہو اور پھر خدا کے حسن و احسان پر پوری اطلاع ہو اور پھر اُس سے محبت کا تعلق ایسا ہو کہ سوزشِ محبت ہر وقت سینہ میں موجود ہو اور یہ حالت ہر ایک دم چہرہ پر ظاہر ہو اور خدا کی عظمت دل میں ایسی ہو کہ تمام دنیا اس کی ہستی کے آگے مُردہ متصور ہو اور ہر ایک خوف اُسی کی ذات سے وابستہ ہو اور اُسی کی درد میں لذت ہو اور اُسی کی خلوت میں راحت ہو اور اُس کے بغیر دل کو کسی کے ساتھ قرار نہ ہو۔ اگر ایسی حالت ہو جائے تو اُس کا نام پرستش ہے''۔ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۵۴)

پس جو آیت میں نے ابھی تلاوت کی ہے اس میں بنیادی نکتہ وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ہے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! تم نے ہماری آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایک عظیم ذمہ داری اپنے کندھوں پر یہ اُٹھائی ہے کہ تم ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو گے اور جس بات کی طرف ہم تمہیں بُلاتے ہیں اور جس پر ایمان لانے کا ہم تمہیں کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنے ربّ کی عبادت کرو۔ عبودیت تامّہ کے حصول کی کوشش کرو اور اسی میں ہمہ تن لگے رہو اور اس کی طرف ہمیشہ متوجہ رہو تا کہ تم خدا تعالیٰ کے ایک سچے بندے اور حقیقی عبد بن جاؤ۔ چنانچہ عبودیت تامّہ کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس مذکورہ آیہ کریمہ میں دو بنیادی باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ایک ہے تہی ہونا جس کی طرف یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا کے الفاظ میں رکوع کی طرف اشارہ ہے۔

رکوع کے معنی تذلل اور عاجزی اختیار کرنے کے ہیں۔ یعنی انسان خود کو بھی اور اپنے جیسوں کو بھی انتہائی طور پر عاجز تصور کرے اور اپنے میں کوئی طاقت نہ پائے اور ہر قسم کی طاقت اور قوت اور ہر قسم کی خیر اور بھلائی کا منبع و سرچشمہ اللہ تعالیٰ کو سمجھے۔ خدا کے سوا ہر چیز میں اسے نقص ہی نظر آئے خوبی نظر نہ آئے۔ اس کی نگاہ میں ہر خوبی اپنے ربّ کی طرف رجوع کرنے والی ہو۔ یعنی وہ اس یقین پر قائم ہو کہ جس جگہ کوئی حسن یا جس جگہ کوئی احسان کا جلوہ یعنی آگے فائدہ پہنچانے کی طاقت اُسے نظر آتی ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی ہے کیونکہ یہ اُسی کے حسن کا پرتَو اور اسی کے احسان کا ایک رنگ اور جلوہ ہے۔

پس حقیقی عبادت کے لئے پہلا مطالبہ یہ کیا گیا ہے کہ انسان عاجزانہ راہوں کو اور تذلّل کی راہوں کو اختیار کرے یعنی خود کو کچھ بھی نہ سمجھے اور دنیا کی ہر مخلوق کو ایک مُردہ چیز تصور کرے اور خیر اور بھلائی کا سرچشمہ اور منبع سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی اور کو نہ سمجھے۔ پس ماسوائے اللہ کے ہر چیز کی نفی وجود ہے۔ حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی باقی ہے دنیا میں یہ مختلف چیزیں تو دراصل اس کی صفات کے جلوے ہیں جو دراصل کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ (الرحمٰن: ۳۰) کے مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک جلوہ دکھاتا ہے پھر اس کو مٹا دیتا ہے اور پھر ایک اور جلوہ دکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اِن جلوؤں کو ایک چکر دیتا ہے۔ چنانچہ اس طرح اس کی مخلوق کے مختلف پہلو سامنے آجاتے ہیں۔ مثلاً بچہ پیدا ہوتا ہے وہ پیدائش والے دن بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کے بہت سے جلوے دکھا رہا ہوتا ہے۔ وہ محبت جو انسان کی فطرت میں اپنے ربّ کے لئے ہے اس محبت کی ظاہری اور مادی شکل پیدائش کے وقت بچے میں ہمیں نظر آتی ہے کہ وہ بے

اختیار اپنی ماں کی طرف لپکتا ہے حالانکہ اُس وقت نہ وہ کسی سکول میں گیا ہوتا ہے اور نہ کوئی کلاس Attend (اٹنڈ) کی ہوتی ہے لیکن یہ اس کی طبیعت میں اور اس کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے سکھائی گئی ہے کہ وہ پیدا ہوتے ہی بزبانِ حال اپنی والدہ سے اپنی زندگی اور بھلائی اور خیر کی بھیک مانگنے لگ جاتا ہے اس کو بتایا گیا ہے کہ تو بھی فانی، تیری ماں بھی فانی ان کے ساتھ میں نے جب تیری بھلائی وابستہ کر دی ہے تو میں جو ہمیشہ حی اور ہمیشہ قیوم ہوں اور میں جو سرچشمہ ہوں ہر قسم کی خیر کا اور منبع ہوں ہر قسم کی بھلائی کا، میری طرف اپنی ماں سے بھی زیادہ رجوع کرو اور میرے ساتھ اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ گہرے اور شدید اور حقیقی اور سچے تعلق کو قائم کرو تا کہ تم ہر قسم کی خیر اور برکت مجھ سے حاصل کرو۔

پس اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز حادث ہے وہ اپنی ذات میں زندہ نہیں۔ نہ اپنے زور سے وہ زندہ رہ سکتی ہے، نہ اپنے زور سے اپنی قوتوں اور طاقتوں کو قائم رکھ سکتی ہے، نہ اپنے زور اور طاقت سے وہ اپنی استعدادوں کو صحیح طور پر نشو ونما دے سکتی ہے ہر خیر اور ہر بھلائی کسی بھی رنگ کی کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ سے آتی ہے اس لئے ان چیزوں کو اس سے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پس پہلا سبق ہمیں یہ دیا گیا ہے کہ ہم فنا کو اپنے اوپر وارد کریں۔ ایک ہی ذات کو زندہ اور قائم رہنے والی سمجھیں اور یہ ہمارے ربّ کی ذات ہے۔ توحید حقیقی کا احساس اپنے دل میں پیدا کریں اور وہ اس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو ایک مُردہ اور نیست اور لاشئ محض سمجھیں۔ ہم اپنے نفس کو بھی، اپنی طاقتوں کو بھی، اپنے دماغ کو بھی، اپنی عبادتوں کو بھی، اپنے اموال کو بھی، اپنی قربانیوں کو بھی اور اپنے ایثار کو بھی اور دوسروں کو بھی، غرض ہر چیز کو لاشئ محض سمجھیں اور ہر چیز کو بالکل بے حقیقت قرار دیں یہ ہے رکوع اور اس کی حقیقت۔

حقیقی عبادت کا دوسرا مطالبہ سجدہ ہے۔ یعنی جب نفس پر فنا وارد کر لی تو اس سے ابھی حاصل کچھ نہیں ہوا کہ انسان وہیں ٹھہر جائے یعنی اگر ہم خدا تعالیٰ کے سوا کسی اَور چیز کو زندہ اور قائم رہنے والی ذات نہ سمجھیں تو یہ ایک صداقت ہے لیکن ابھی ہم نے اس مقام پر اس سے کچھ حاصل نہیں کیا اس واسطے دوسرا حکم یہ دیا کہ سجدہ کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت کرو اور کامل اطاعت کے نتیجہ میں تمہیں عبودیت تامّہ حاصل ہوگی۔ اِن دونوں چیزوں یعنی ایک یہ کہ اپنے اوپر فنا وارد کرنا اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کامل

اطاعت کرنا اس کا نام عبودیت تامّہ ہے۔ یعنی جب کامل فنا انسان کی ذات پر وارد ہو جائے اور کامل اطاعت کا نمونہ اس کی زندگی میں نظر آنے لگے تو اس صورت میں اگر حقیقتاً باطن میں اخلاص اور نیک نیتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ شخص عبد تام ہوگا اور عبودیت تامّہ کو حاصل کر چکا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میری سچی اور حقیقی عبادت کرو تو ساتھ ہی اس کے لئے تمہیں دو راہیں بھی بتا دیتا ہوں کیونکہ اپنی طرف سے تم ان راہوں کو بھی حاصل نہیں کر سکتے، اپنی کوشش سے تم ان وسائل کو بھی نہیں پا سکتے جو کہ عبودیت تامّہ پر منتج ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حسن و احسان کو ظاہر کرتے ہیں یا جو اللہ تعالیٰ کی خوبصورتی اور اس کے نور کے جلوے دل اور دماغ پر بٹھاتے ہیں جس کے نتیجہ میں انسان کو اللہ تعالیٰ کا ایک کامل قرب حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنے زور اور اپنی طاقت اور اپنی عقل اور سمجھ اور اپنے مجاہدہ سے ان وسائل کو حاصل نہیں کر سکتے اس لئے ہم تمہیں دو باتیں بتاتے ہیں کہ اگر تم ان کو اختیار کرو گے تو عبد تام یعنی ایک کامل اور حقیقی عبد اور سچے بندے بن جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تمہیں عبودیت تامّہ حاصل ہو جائے گی۔ ایک یہ کہ اپنے نفسوں پر فنا وارد کرو اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کامل اتباع اور اطاعت کرو۔ پہلے انسان نے اپنے اوپر فنا وارد کی، ہر چیز خالی ہوگئی، انسان کی تختی خالی اور صاف ہوگئی تو پھر اطاعت ہوگی اور اطاعت میں جوں جوں وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو وہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرتا چلا جائے گا جس کے نتیجہ میں پھر وہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی عبد بن جائے گا۔

پس حقیقی عبد بننے کے لئے ان دو راہوں کو ایک ہی وقت میں اختیار کرنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ کامل طور پر اللہ تعالیٰ میں فنا ہو جانا اور دوسرے یہ کہ کامل اطاعت کا نمونہ اپنی زندگیوں میں دکھانا ورنہ محض زبانی وعدوں سے انسان اللہ تعالیٰ کی اس رضا کو حاصل نہیں کر سکتا جسے اُس نے اِس مذکورہ آیہ کریمہ میں فلاح کے نام سے پکارا ہے یعنی ایسی کامیابی جس سے بڑھ کر کوئی کامیابی ممکن نہیں اور جو انسان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں اِس مذکورہ آیت میں فرمایا ہے کہ جب تم فانی فی اللہ بن جاؤ گے، میرے اندر غائب ہو جاؤ گے، تمہارا اپنا وجود نہیں رہے گا اور جب تمہارا اپنا وجود نہیں رہے گا تو پھر تمہاری نگاہ میں تمہارے ماحول میں جو دوسری مخلوق ہے وہ بھی تمہیں نیست اور لاشئ محض ہی نظر آئے گی اور جب تم

میری کامل اتباع کو اختیار کر کے میرے کامل بندے بن جاؤ گے تو اس طرح میرا رنگ تم پر چڑھ جائے گا اور میرے اخلاق تمہارے اخلاق بن جائیں گے۔ اسی حقیقت کو ہم کبھی فَنَافِی اَخْلَاقِ اللّٰہ کا نام بھی دیتے ہیں اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ کا ارشاد اسی کی طرف اشارہ کرتا اور یہی ہدایت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ اپنے اوپر چڑھاؤ اور اللہ تعالیٰ کے جو اخلاق ہیں وہ اپنے اندر پیدا کرو یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کے رنگ میں رنگین ہو جاؤ۔ پس عبد کامل کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے حسن کے عظیم جلوے نظر آتے ہیں لیکن حسن کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے تو احسان کے جلوے بھی اس دنیا میں جاری و ساری ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ہم جب اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرتے ہیں تو اُن میں حسن ہی حسن نظر آتا ہے اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام جہانوں کا نور ہے اور یہ اس کا حسن ہے اور جب اس کا یہ حسن یعنی اس کی صفات حسنہ عملاً مخلوق میں جلوہ افگن ہوتی ہیں تو یہی صفات احسان کا رنگ رکھتی ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ کا رحمٰن ہونا ہے یہ اس کی بطور صفت کے ایک نہایت ہی حسین صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اندر یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ بغیر استحقاق کے احسان کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ اس کی بطور صفت کے ایک نہایت ہی حسین صفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے اندر یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ بغیر استحقاق کے احسان کرتا چلا جاتا ہے وہ اپنی مخلوق پر رحمت کی بارش برساتا ہے جب کہ اس کے کسی عمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابھی کسی بدلے یا جزاء کا بھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس یہ فی ذاتہٖ ایک انتہائی حسین خوبی ہے اور ایک بڑی ہی حسین صفت ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا معاملہ اس کی مخلوق سے ہونے لگتا ہے تو اس کے احسان ہی احسان نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زید کو، بکر کو، مجھے اور آپ کو وہ نعمتیں عطا کی ہیں کہ جن کا استحقاق ہم نے اپنی کسی تدبیر یا عمل یا دعا سے پیدا نہیں کیا تھا۔ ابھی ہم پیدا ہی نہیں ہوئے تھے لیکن ابھی بچہ پیدا نہیں ہوتا کہ ماں کی چھاتیوں میں اس کے لئے دودھ پیدا کر دیا جاتا ہے۔ ابھی انسان اس دنیا میں پیدا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس زمین یا اس الارض میں ایسی متوازن غذائیں پیدا کر دی گئی تھیں جو انسانی جسم کی ساخت کے بالکل موافق اور اس کی ضرورتوں کے مطابق تھیں۔ یعنی جس قسم کی کسی کو ضرورت ہو سکتی تھی اس کے مطابق مختلف اور مناسب حال غذائیں پہلے سے پیدا کر دی گئیں۔ یہ نہیں کہ پہلے تو اس نے انسان کو پیدا کر دیا ہو اور بعد میں اس کی غذاؤں وغیرہ کا خیال رکھا ہو اور یہ عمل تو شاید ہزاروں لاکھوں سال سے پہلے شروع ہو گیا تھا۔ پس وہ مخلوق خدا جو

اس لئے پیدا کی جانی تھی کہ وہ اپنے رب سے ایک حقیقی اور زندہ اور اپنے اختیار سے (یعنی اختیار کے رنگ میں باقی تو ہر مخلوق کا تعلق اپنے ربّ سے ہی ہے لیکن اختیار رکھتے ہوئے اثر رکھتے ہوئے علیٰ وجہ البصیرت قربانیاں دیتے ہوئے) وہ اپنے ربّ سے تعلق پیدا کرنے والی مخلوق ہوگی۔ پس جس وقت وہ اس دنیا میں پیدا ہو تو وہ بھوکی نہ مرے۔ چنانچہ غذاؤں کے علاوہ پانی کا انتظام پانی کی صفائی کا انتظام پانی کو جراثیم سے پاک رکھنے کا انتظام اور پھر اس کو مختلف جگہوں پر پہنچانے کا انتظام غرض پانی کی فراہمی کے سلسلہ میں ہزار قسم کے انتظام کئے اور نہ صرف کھانے پینے کی چیزوں میں بلکہ دوسری تمام چیزوں میں انسان کو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے جلوے ہی جلوے نظر آتے ہیں اور پھر یہ سارے جلوے انسان کے کسی عمل کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کے ماتحت بغیر استحقاق حق کے نظر آ رہے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ جو صفت حسنہ بیان فرمائی ہے جس وقت اس حسین اور خوبصورت صفت کے جلوے انسان پر ظاہر ہونے لگتے ہیں تو وہ احسان بن جاتے ہیں۔ وہی حسن جو ہے وہ احسان کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم عاجزی، انتہائی عاجزی اور کامل اتباع کو اختیار کر کے حقیقی معنوں میں میرا حسن اپنی زندگیوں میں پیدا کر لو گے تو پھر میری طرف سے تمہارے اندر یہ طاقت بھی ودیعت کر دی جائے گی کہ جس طرح تم میرے حسن کو میرے فضل اور میرے رحم سے اپنی زندگی میں سمیٹے ہوئے ہو گے اسی طرح میرے احسان کے جلوے بھی تمہارے اندر سے پھوٹ پھوٹ کر نکلنے لگیں گے۔ پھر تم وَافْعَلُوا الْخَيْرَ اس قابل ہو جاؤ گے کہ تم خیر اور بھلائی کی باتیں کرو یعنی پھر تم اس بات کے قابل ہو جاؤ گے کہ تم اپنے نفسوں پر اور اپنے بھائیوں پر یا خدا تعالیٰ کی دوسری مخلوق پر احسان کرو۔ اپنے نفس کے حقوق بھی ادا کرنے والے اور اپنے بھائیوں کے حقوق بھی ادا کرنے والے ہو جاؤ اور اسی طرح بنی نوع انسان کے حقوق کو بھی ادا کرنے لگ جاؤ اور پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری مخلوق کے جو حقوق قائم کئے ہیں ان کی ادائیگی میں بھی کوشاں رہو۔

پس مذکورہ آیت میں جو مرکزی نکتہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان! میں نے تجھے عبادت تامّہ کے لئے پیدا کیا ہے پس کامل عبد بننے کی کوشش کر اور تو خود اپنی کوشش سے اس راہ کو پا نہیں سکتا جس کا کامل عبد بننے کے لئے حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے ہم دو متوازن راہیں تجھے

بتا دیتے ہیں۔ ایک فنا کی راہ ہے اور دوسری اطاعت کی راہ ہے۔ ایک وہ راہ ہے جس کے نتیجہ میں توحید خالص پر تو قائم ہو جائے گا اور دوسری وہ راہ ہے جس کے نتیجہ میں توحید خالص پر قائم ہو کر توحید خالص کے تقاضوں کو تو پورا کرنے لگے گا یعنی اپنے ربّ کی اتباع اور اطاعت میں لگا رہے گا اور جس وقت تو میرا کامل بندہ بن جائے گا تو پھر تو اس قابل ہو جائے گا اور اپنے اندر یہ طاقت رکھے گا اور یہ استعداد تجھ میں پیدا ہو جائے گی کہ میں تجھے یہ حکم دے سکوں وَافْعَلُوا الْخَيْرَ یعنی دوسرے بندوں کے ساتھ یا دوسری مخلوق کے ساتھ یا خود اپنے نفس کے ساتھ خیر یعنی بھلائی کا معاملہ کرے کیونکہ میرا حسن جس طرح میرے وجود میں ایک تو نور کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اس طرح وہ میرے وجود میں احسان کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ جب تو میرا کامل بندہ بن جائے گا اور میری صفات کا رنگ تجھ پر چڑھ جائے گا تو پھر یہ دونوں چیزیں تیرے اندر پیدا ہو جائیں گی۔ میرے حسن کا نور بھی تیرے وجود میں پیدا ہو جائے گا اور میرے احسان کے جلوے بھی تیرے وجود میں میری مخلوق مشاہدہ کرے گی تو اس قابل ہو جائے گا کہ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ کے الفاظ میں میرا یہ حکم سن کر خیر اور بھلائی کے کام کرنے لگ جائے کیونکہ اس کے عمل پیرا رہنے کی تجھ میں طاقت ہوگی۔

پس جس وقت انسان اللہ تعالیٰ کا حقیقی بندہ بن جاتا ہے اور عبودیت تامّہ اُسے حاصل ہو جاتی ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے مطابق اس کے اخلاق بن جائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو اس کی زندگی کے ہر زاویہ اور ہر شعبہ پر پڑتا ہے۔ پس انسان کے کامل عبد بن جانے کی صورت میں جہاں دنیا اُس کے وجود میں حسن باری تعالیٰ کے جلوے دیکھتی ہے وہاں دنیا اس کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے احسان کے جلوے بھی دیکھتی ہے اور یہ کامل عبد جو اللہ تعالیٰ کا ہم رنگ بن گیا یہی وہ انسان ہے جس نے وہ حقیقی اور انتہائی کامیابی حاصل کی اور فلاح پائی جس سے بڑھ کر کسی انسان کو کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کامیابی اور اس فلاح کی صورت میں انسان کو اللہ تعالیٰ کے پیار اور اس کی رضا کا ابدی سرور حاصل ہوا۔ ایک ایسی لذت نصیب ہوئی جس کے مقابلے میں دنیا جہاں کی لذتیں بالکل ہیچ ہیں۔

پس انسان کو اللہ تعالیٰ کا سچا بندہ اور حقیقی عبد بننے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ حقیقی عبد بننے کی راہیں بتا دی گئی ہیں اور ان پر چل کر جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کو بھی بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہی ہیں کہ جب

انسان ان راہوں کو اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا حقیقی عبد بن جاتا ہے تو پھر وہ ان کامیابیوں اور فلاح سے ہمکنار ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر کی ہیں مگر وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے حقیقی بندے نہیں بنتے وہ بڑے ہی بدقسمت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ میرے قریب آنے کی بجائے مجھ سے دور چلے جاتے ہیں اور اس طرح فلاح اور کامیابی میں میرے پیار اور رضا کی لذت اور سرور کو پا ہی نہیں سکتے۔

پس ہمیں اللہ تعالیٰ کا حقیقی بندہ بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ عبودیت تامّہ کے حصول کے لئے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھنی چاہئے تا کہ ہماری زندگی کا مقصد ہمیں حاصل ہو جائے وہ کامیابی ہمیں مل جائے جو ہمارے مقدر میں ہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے پیار کا سلوک ہم سے ہونے لگے اور اس کی رضا کی نگاہ ہم پر پڑنے لگے اور اس کا ایسا پیار ہمیں نصیب ہو کہ جس کے بعد انسان کسی اَور چیز کی ضرورت اور احتیاج محسوس نہیں کرتا۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ ۵؍دسمبر ۱۹۷۰ء صفحہ ۲ تا ۷)

☆.....☆.....☆